ڈاکٹر صوفیہ یوسف*

تلاش بہاراں سے انجام بہاراں تک

Abstract: Jamila Hashmi and Adalet Agaoglu fall amongst the most well.known fiction writers in the world of Urdu and Turkish socio-progressive literature. Both writers bring human behavior and societal impassiveness under discussion in their respective countries.
Jamila Hasmi's novel "Talash e Baharan" (the Quest of Spring) got published in 1960-61. The novel portrays changing human behavior and how one tramples humanity in context of the partition of sub-continent.
Adalet Agaoglu's novel Yaz Sonu's Urdu translation is published by Jamhoori Publications under titled "Anjam e baharan" (Outcome of Spring). The novel revolves around the changing cultural values, urbanization and politics of the modern Turkish society of 1970s. This article reviews how these two women writers of different cultural background view the societal problems along with the role they're playing in solving them.

ترکی اور پاکستان کی دوستی اور برادرانہ تعلقات پر گُزرتے دن کے ساتھ مضبوط سے مضبوط تر ہوتے جا رہے ہیں دونوں ممالک کے درمیان اُنسیت کا رشتہ صرف حکومتی سطح پر ہی نہیں ہے بلکہ دونوں اقوام کے درمیان موجود ہے۔ اور یہ دوستانہ تعلقات صدیوں پر محیط ہیں۔

ترک تہذیب کا شمار دنیا کی قدیم تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں ترکی النسل قبائل کی آمد کا سلسلہ گیارھویں صدی عیسوی میں شروع ہوا۔ غزنوی، غوری ایبک، التمش، تغلق اور مغل حکمرانوں کے عہد میں برعظم پاک وہند کی تہذیب و ثقافت پر ترک تہذیب و ثقافت کی گہری چھاپ اور آمیزش سے ایک نئی تہذیب نے جنم لیا۔ ان ہی حکمرانوں کے ادوار میں متعدد صوفیا کرام بھی وسطی ایشیا سے برعظم پاک وہند میں داخل ہوئے اور اس دھرتی کو اپنا مسکن بنالیا ان صوفیا کرام نے برابری، امن، بھائی چارے، انسانیت اور بقائے باہمی کا پیغام دیا جس نے ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا جو بقائے باہمی کی اقدار پر عمل پیرا تھا۔ تا آنکہ 1857ء میں برعظم پاک وہند پر برطانوی راج قائم ہوا اور Divide & Rule کی پالیسی کے ذریعے برعظم پاک وہند کے معاشرے میں بقائے باہمی کی اقدار کو تاراج کرتے ہوئے نفرت کی ایسی آگ لگائی گئی جو آج بھی اس خطے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہے۔ برعظم پاک وہند کے مسلمانوں نے ہر دور اور ہر مشکل میں اپنے ترک بھائیوں کی ہر ممکن مدد کی۔ قیام پاکستان کے بعد بھی یہ روابطہ مضبوط و مستحکم ہوتے رہے۔ یہ تعلقات عوامی سطح پر

* ایسوسی ایٹ پروفیسر و صدر شعبہ اردو شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور، پاکستان۔

بھی ہیں اور حکومتی سطح پر بھی۔ ترکی ہر بین الاقوامی فورم پر پاکستان کے موقف کی حمایت کرتا ہے۔ دونوں برادر ممالک ہر مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی، ثقافتی اور تعلیمی شعبوں میں مضبوط روابط موجود ہیں۔

جہاں تک ترکی اور اردو زبانوں کا تعلق ہے تو لفظ "اردو" ترکی زبان کے لفظ "Ordu" سے اخذ شدہ ہے۔ ترکی زبان کا تعلق زبانوں کے Altaic خاندان سے ہے اور اردو کا تعلق ہندیورپی خاندان سے اس کے باوجود دونوں زبانیں تہذیبی،، تاریخی اور ثقافتی لحاظ سے ایک دوسرے کہ بہت قریب ہیں ان کے ادبی روابط میں کافی مماثلتیں اور مشابہتیں پائی جاتی ہیں(۱)۔ اردو میں ترکی زبان کے ہزاروں لفظ مستعمل ہیں جن میں سے بیشتر الفاظ آج تک بعینہ اپنی حقیقی صورت میں اردو میں رائج ہیں۔ ادبی تراجم کے وسیلے ہی ایک زبان اور اس کے بولنے والے دوسری زبان اور اس کے بولنے والوں کے رجحانات، تحقیقات اور افکار ومزاج اس کی صرفی ونحوی ساخت سے آگاہ ہو کر زبان کے رنگ وروپ کو اپناتے ہوئے اپنی تنگ دامنی کو وسعت میں تبدیل کر لیتے ہیں۔ دوسری زبانوں کے اعلیٰ ادب پاروں کا ترجمہ بارہا قلم کاروں کو نئے ادبی میلانات تہذیبوں اور فنی معیارات سے متعارف کرا کر جدید احساسات وتجربات اپنانے پر آمادہ کرتا ہے(۲)۔

یہ ترکی زبان وادب کے ساتھ لگاؤ کا ہی نتیجہ ہے کہ بیسویں صدی کے اوائل سے ہی ترکی ادب کے تراجم اردو زبان میں کیے جانے لگے۔ سجاد حیدر یلدرم نے ترکی افسانوی ادب کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اردو دان طبقے کو ترکی ادب سے روشناس کرایا۔ اس طرح ترکوں سے اردو دان طبقے کی اُلفت کا رشتہ مزید مستحکم ہوا۔ یلدرم اپنے ترکی ادب کے تراجم کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

"میری تمنا تھی کہ کسی طرح ترکوں کے قصے ترجمہ ہوں۔ اس سے نہ صرف ہماری ناول کے لٹریچر میں ایک نئے قسم کا اضافہ ہو گا بلکہ ترکوں کی زندگی کی اصل نقشہ بھی ہمیں نظر آجائے گا۔ ترکوں کی سوشل زندگی کی تصویر میں اردو میں اس لئے ضروری سمجھتا تھا کہ ہماری سوسائٹی اور طرز معاشرت میں جو انقلاب پیش آرہا ہے وہ انہیں بھی پیش آچکا ہے"(۳)۔

یلدرم نے بہت سے ترکی ناول، افسانے اور ڈراموں کو اردو کے قالب میں ڈھال کر اردو کے افسانوی ادب کے دامن کو وسیع کیا۔ ترکی ادب کے اُردو تراجم کی یہ روایت عصر حاضر میں مزید توانا ہو گئی ہے۔ اب باقاعدگی سے ترکی ادب (نظم، نثر) کے اردو تراجم شائع ہو رہے ہیں اور ان تراجم کو اردو دان طبقے میں بہت پسند کیا جارہا ہے۔

زیر نظر مضمون میں بیسویں صدی کے نصف آخر میں اردو اور ترکی زبان میں شائع ہونے والے دو ناولوں کو موضوع بنانے کا مقصد اردو اور ترکی کے قلم کار بدلتے ہوئے انسانی رویوں، معاشرتی اقدار، عالمی وملکی منظر نامہ اور سماجی مسائل کو وہ کس طرح دیکھتی اور محسوس کرتی ہے ان میں مماثلتیں تلاش کرنا ہے۔

جمیلہ ہاشمی (1929-1988) کا شمار اردو کی اہم خواتین فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی تحریروں میں روشن خیالی اور سیکولر نظریات کے اثرات گہرے ہیں۔ وہ مذہبی تعصبات سے ماورا ہو کر انسان اور انسان سے وابستہ مسائل کو زیر بحث لاتی ہیں۔ مجموعی طور پر جمیلہ ہاشمی نے براعظم پاک وہند کی تقسیم، فسادات صدیوں سے ساتھ رہنے والے انسانوں کے بدلتے رویوں، عورت کی آزادی، عورتوں

کے ساتھ ہونے والی سماجی ناانصافی کو منظر عام پر لاتے ہوئے ایک اس معاشرے کی تشکیل کی خواہشمند ہیں جس میں امن اور برابری کی اقدار پروان چڑھیں۔

عدالت آغولو (1929) کا شمار ترکی کی اہم و نمائندہ فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ان سماجی تبدیلیوں اور فرد کو درپیش پریشانیوں پر قلم اٹھاتی ہیں جن کا سامنا ترک سماج کو بڑھتی ہوئی مغرب زدگی (Westernization) کی وجہ سے کرنا پڑا۔ ان کے موضوعات میں تنوع ہے وہ فرد اور سماج کے تعلق کو تکنیکی مہارت اور جدت کے ساتھ پیش کرتی ہیں عدالت آغولو نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ڈرامہ نگاری (1950) سے کیا۔ لیکن 1970 کی دہائی میں وہ ڈرامہ کی بجائے ناول نگاری کی طرف راغب ہوئیں جس کی وضاحت انھوں نے ایک انٹرویو میں اس طرح کی:۔

> "During my literary career my biggest dream was to create a fiction that would freely go back & forth inside a timeline. The limitations of the dramatic stage prevented me from getting the results that I sought. This is why I decided to move to the novel genre which would allow me more liberty in terms of concepts of time." (۴)

عدالت اپنے ناولوں میں عمومی طور پر دانشوروں کو درپیش ان مسائل کی تصویر کشی بھی کرتی ہیں جو سماجی تبدیلیوں کی پیداوار ہیں، ساتھ ہی ان تبدیلیوں کی وجہ سے مڈل کلاس طبقے کے رویوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی بھی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ 70 کی دہائی میں ترکی کے سیاسی، معاشی و معاشرتی حالات کو اپنے ناولوں کا موضوع بناتی ہیں۔ اب ان دنوں خواتین (جمیلہ ہاشمی، عدالت آغولو) ناول نگاروں کی ناولوں یعنی تلاش بہاراں (1961ء) اور انجام بہاراں (1980ء) (۵) کا بہ نظر غائر جائزہ لیتے ہیں۔

تلاش بہاراں جمیلہ ہاشمی کا پہلا ناول ہے اس ناول پر انھیں آدم جی ایوارڈ بھی ملا۔ ناول کا موضوع برعظیم کی تقسیم سے پہلے کی مشترکہ تہذیب اور اس تہذیب کا افسوس ناک خاتمہ ہے۔ 1947ء میں برعظیم پاک وہند کی تقسیم سے آزادی تو ملی لیکن جس بہار کی تلاش تھی وہ نہ مل سکی۔ اس تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے فسادات، بربریت، سفاکانہ خون ریزی، عورتوں کی بے حرمتی جیسے واقعات نے انسانوں کی جذباتی واندرونی دنیا میں تبدیلیاں پیدا کر دیں:۔

> "دنیا چیخ رہی ہے، نعروں کی صدائیں آتیں۔ پھر آگ کے شعلے لپکتے۔ بارش متواتر ہو رہی تھی اس کے باوجود گولیوں کی دھائیں دھائیں خطرے کے سائرن، مشین گنوں کے چلنے کی گونج، اگر قیامت ایسی ہی ہو سکتی ہے تو قیامت آگئی تھی۔ میں نے لوگوں کو نہا کر نئے کپڑے پہن کر تلک لگاتے اور بھگوان کی مورتی کے سامنے تلواریں اٹھا کر سوگند کھاتے دیکھا۔ نفرت کی آری سے وجود کو کاٹا جا رہا تھا۔ پرخچے اڑائے جا رہے تھے۔ مذہب کی دھجیاں اڑ رہی تھی"۔(۶)

اس المیے نے انسانی نفسیات پر بہت گہرا اثر چھوڑا تہذیبی سطح پر اخلاقی اقدار اور سماجی ڈھانچے کو ہلا کر رکھ دیا۔ تکنیکی لحاظ سے جمیلہ ہاشمی اس ناول میں واحد متکلم کی تکنیک کا استعمال کرتی ہیں اور یہ واحد متکلم مرد ہے۔ ناول کے موضوع کو وسعت اور انسان دوستی کے

خیال کو تقویت دینے کے لئے ہندوستانی اساطیر سے بھی مدد لیتی ہیں۔ جمیلہ اس ناول میں وفسادات اور مشترکہ تہذیب و معاشرت جیسے موضوعات کے علاوہ براعظم پاک وہند میں عورت کے کردار، عورتوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے حصول کی اہمیت وضرورت، سماج میں عورت کے لئے برابری کے حقوق جیسے اہم مسائل کو بھی کھل کر پیش کرتی ہیں:۔

"سیاسی حلقوں میں اس شادی کا بہت چرچا ہوا سماج کے ٹھیکیداروں، تہذیب کے علمبرداروں اور مشرقی روایت کی حفاظت کرنے والے وعظوں نے عورتوں کی زندگی پر نفریں بھیجنی شروع کی"۔(۷)

براعظم پاک وہند کے معاشرے میں عورت کو ایک ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کے طور پر محترم ہستی تو مانا جاتا ہے لیکن بحیثیت عورت اس کے وجودی کی کوئی شناخت نہیں:۔

"کنول مجھ سے کہتی تم لوگ عورت کو اس لئے ہی کیوں دیکھتے ہو کہ وہ مرد کے لئے زندہ ہے؟ اس کی اپنی الگ کوئی زندگی کیوں نہیں ہے۔۔ تم اس کو دیکھو گے تو بیٹی کی حیثیت سے، بہن بنا کر، بیوی اور ماں کی طرح کیا عورت ان حالتوں کے علاوہ ایک عورت نہیں ہے؟ اگر تم ایک مرد بن کر زندہ رہتے ہو اور ترقی کرتے ہو تو کیا عورت بہن، بیوی اور بیٹی کے رشتوں سے بلند ہو کے نہیں رہ سکتی۔ تم نے اپنی عقل کے جو پیمانے بنا لیے ہیں انہیں عورت کی شرافت اس کی عزت اور اس کی ہستی کے ناپنے کے لئے کیوں مقرر کرتے ہو؟"۔(۸)

عورت کے حقوق اور ان کی حیثیت کو ہمارے معاشرے میں تسلیم کرنے پر آج بھی بحث جاری ہے۔ انھیں دوسرے درجے کا شہری یا ایک Object or commodity سے زیادہ کچھ نہیں سمجھا جاتا ہے:۔

"یہ بزرگ عزت کے سوال پر غور کرتے ہوئے یہ بھول رہے تھے کہ کرشنا کی عزت بھی کوئی شے ہے اور کنول ٹھاکر بھی کس کی بیٹی ہے۔ اصل میں مرد کے غرور کو سخت ٹھیس لگتی ہے جب عورت اس کے مقابلے کے لئے سر اٹھائے۔۔۔ ذہین عورتیں مردوں کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں اور جب کانٹے کی خلش سے تنگ آجاتے ہیں تو اسے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں جس طرح رویندر کے پتانے کی تھی"۔(۹)

"انجام بہاراں" ترکی کی مایہ ناز فکشن نگار عدالت آعولو کے ناول "Yazsonu" کا اردو ترجمہ ہے۔ عدالت آعولو کا یہ ناول 1980 ترکی زبان میں شائع ہوا۔ اس میں انھوں نے 70 کی دہائی میں ترکی میں رونما ہونے والی فوجی بغاوتوں سیکولر اور مذہبی نظریات کے حامل گروہوں کے درمیان کش مکش معاشرے میں بڑھتی ہوبے چینی معاشی بدحالی وبے روزگاری کو موضوع بنایا ہے۔ ناول کی کہانی ترکی کے جنوب مشرقی بحیرہ روم کے ساحل پر واقعہ قدیم شہر سیدہ(Side) کے گرد گھومتی ہے اپنی ناول کے لئے مصنفہ نے اس ہی شہر یا خطے کا چناؤ کیوں کیا؟ اس کی وضاحت انھوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کچھ یوں کی ہے کہ:۔

"جنوب مغربی ترکی کا شہر سیدہ(Side) بحیرہ روم کے مشرقی ساحل پر آباد ہے۔ تاریخی، تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے نہایت اہم ہونے کے ساتھ قدرتی حُسن سے بھی مالامال ہے۔ اس کے ایک طرف خوب

صورت ساحلِ سمندر تو دوسری طرف طورس پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ خطہ الانیا، اسکندرون سے ہوتا ہوا مشرقِ وسطیٰ تک پھیل جاتا ہے۔ بحیرہ روم کے مغربی کنارے کے مقابلے میں تعلیمی طور پر یہاں کی آبادی اس وقت پسماندہ تھی۔ جدیدیت (Westernization) سے یہاں کے لوگ ابھی روشناس نہ ہوئے تھے۔ اس خطے میں یونانی، رومی، باز نطینی، سلجوقی اور عثمانی ترکوں کی اعلیٰ تعمیرات کے آثار آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح دیومالا کے مطابق قلو پطرہ (Cleopatra) نے بھی اس علاقے میں کبھی قیام کیا تھا۔ ناول کے لئے ترکی کے اس علاقے کا استعاراتی چناؤ اس لیے کیا کہ اس کے ذریعے ترکی کے ثقافتی تنوع اور تنازعات کو آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے (ترجمہ)"۔(۱۰)

ناول میں مصنفہ نے واحد متکلم کی تکنیک کا استعمال کیا ہے اور یہ واحد متکلم عورت ہے ناول کے کردار زمان و مکان کی قید سے آزاد ہیں۔ مصنفہ نے شعور کی رو کی تکنیک کو مہارت سے برتا ہے۔ ناقدین نے عدالت آغولو کے اس ناول کو ترکی ادب کا پہلا مابعد جدیدیت رجحان کا حامل ناول قرار دیا ہے۔ ناول کا واحد متکلم نسوانی کردار اس ناول کا مرکزی کردار ہے جس کا نام نوین ہے اس کا بیٹا (گونے) سیاسی گروہوں کی جھڑپ میں مارا گیا ہے۔ نوین کی اپنے شوہر (حسن) سے علیحدگی ہوگئی ہے لیکن یہ دونوں یعنی نوین و حسن ایک دوسرے کو Sapport کرتے ہیں۔ (یہ Concept بھی اُس وقت کے ترکی معاشرے میں نیا تھا نوین جو اپنے بیٹے کی دائمی جدائی اور شوہر سے علیحدگی کے دکھ کو برداشت کرتے ہوئے تنہائی کے کرب سے گزر رہی ہے۔ اس سب کے باوجود بھی وہ آگے بڑھنے خوشی و سکون کو تلاش کرنے کے لئے شہر کی ہنگامہ خیز دنیا سے دور ایک پر سکون قدرتی حسن سے بھرپور قصبے میں اپنے سابقہ شوہر، بھائی اور دوستوں (کل 6 لوگوں) کو چھٹیاں گذارنے کے لئے جمع کرتی ہے اور آخر میں صرف وہ یادوں کے ساتھ ایک بار پھر تنہا رہ جاتی ہے:۔

"وہ سب چلے گئے، وہ گھر مجھ پر چھوڑ گئے میں وہاں رکی رہی۔ ہمارا انجام کو پہنچی ساحل پر قدموں کے نشانات، لکیریں جو ہم نے کھینچیں، نقش و نگار، نام جو تم نے لکھے۔۔۔ زیادہ دیر نہ گزرے گی کہ لہریں آگے بڑھ کر ساحل پر ہمارے قدموں کے نشانات مٹا دیں گی"۔(۱۱)

عدالت آغولو کے اس ناول نے ترکی کی روایت کو بدل کر رکھ دیا۔ اس سے قبل ترک ناول نگار کلاسیک ازم اور دیہی زندگی کو اپنا موضوع بناتے تھے شہری زندگی کے حوالے سے صرف استنبول کے حوالے سے چند ناول موجود تھے۔ لیکن یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ مابعد جدیدیت اور شعور کی تکنیک کو بروئے کار لاتے ہوئے کرداروں کو زمان و مکان کی قید سے آزاد کر دیا گیا۔

"جسے ہم وقت کہتے ہیں وہ زندہ ہے۔ اسے کسی ٹھوس شے کی طرح منجمد کر دینا اس کی جانب اشارہ کرنے والے کو کسی ایک صیغے تک محدود کر دینے کا مطلب ہوگا خواب و حقیقت، ماضی اور مستقبل کو ایک دوسرے سے الگ الگ کر دینا خصوصاً، اس لمحے جب موسیقی آفاقی ہے جب لہروں کو تقریباً ممیز کیا

جاسکتا ہے اس انڈی کیٹر کو ایک واحد وقت میں رکھنا ناممکن ہے لیکن یہ مطالبہ کرنا کہ ہم ایسا کرتے ہیں ہمیں دہرے مصنوعی پن میں دھکیلتا ہے"۔(۱۲)

ترکی کے سیاسی بحران اور فوجی بغاوت کی وجہ سے پیدا ہونے والے معاشرتی عدم اطمینان کے اثرات کو بیان کرتی ہیں:۔

"پرانے خون اور گلے سڑے گوشت کی بُو پورے ملک میں زیادہ سے زیادہ چیزوں پر چھاتی چلی گئی خوش ہونے کی کوشش کرنا تو ایک طرف خوشی کا تذکرہ کرنا بھی مشکل ہو چکا تھا۔ موت ابھی ایسی چیز نہ بنی تھی جس کے ہم عادی تھے لیکن ایسا ہونے کے قریب تھا۔ دروازے سختی سے بند کیے جا چکے تھے۔ لوگوں کے دلوں پر ہر بدترین طریقے سے قفل ڈالے جا چکے تھے"۔(۱۳)

اس مرکزی موضوع کے ساتھ دوسرے ضمنی موضوعات دیہی آبادی کا شہروں کی طرف نقل مکانی کا رجحان شہر آنے کے بعد ان کے نفسیاتی مسائل، سیاحت کے فروغ کی خاطر قدرتی حسن کو مسخ کرتے ہوئے ترقیاتی کام، سڑکوں پلوں ہوٹلوں کی تعمیر اور اس تعمیر سے پیدا ہونے والے ماحولیاتی مسائل کو بھی اجاگر کیا ہے چند اقتباس دیکھیں:

"اس نے جو سنا وہ ہتھوڑے، زنجیری آرے کی آواز، کسی انجن کا شور، دھاتوں کے بجنے کی آواز تھی جو بالکل بھی شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی نہ تھی۔ پھر اس کی بائیں جانب چشمے سے پرے ساحل اور سمندر پر اترتی پہاڑی ڈھلان پر زمین کی ڈھلان پر اسے اینٹوں کا ڈھیر، معماروں کے بلاک، سٹیل اور سیمنٹ دکھائی دیئے۔ دیوار کے اوپر اور بنیاد کے ساتھ موجود آلا سئیش، ڈٹرجنٹ کے ڈبے، ڈبہ بند خوار کے خالی ڈبے لیموں کے خشک چھلکوں کے ڈھیر، کسی ٹائر سے بنایا گیا کسی دہقان کا جوتا، غیر ملکی لیبل والی سورج کی تمازت سے بچاؤ کے لوشن کی خالی ٹیوب سب ایک دوسرے کے اوپر ساتھ ساتھ پڑے تھے۔ سمندر کنارے موجود زمین چٹانوں پر جا کر ختم ہو جاتی تھی جہاں ابھی تک مکئی اور کھیروں کی کاشت ہو رہی تھی یہ اس بات کی نشاندہی تھی کہ تاحال کسانوں نے اس جزیرہ نما کو پوری طرح نہیں چھوڑا تھا۔ لیکن دھاتوں کے ٹکرانے اور بجنے کی وہ پتلی سی آواز اور موٹر کی آواز نہیں رکتی اور نہ ہی اس کا پیچھا چھوڑتی ہے"۔(۱۴)

یہ وہ نقطۂ آغاز ہے جس نے آگے بڑھ کر آج ماحولیاتی آلودگی کے آسیب کی شکل اختیار کر کے زمین پر موجود زندگی کے لئے خطرے کی گھنٹی بجنا شروع کر دی ہے ایک اقتباس:۔

"میں الانیا سے واپسی پر ایک منی بس میں تھی نئی تہذیبیں: خبردار، وہ گرین ہاؤسز، پانی کے پمپس، کنویں، ہوٹل، نئی طرز تعمیر، کنکریٹ کی چار ٹانگوں پر دو بھدے طریقے سے بنائی گئی منزلیں اور رنگین پلاسٹک سے بنے پانی کے بڑے بڑے پائپ منی بسوں پر بوریوں میں لادی گئی کیمیائی کھاد، زرعی کیڑے

مار دوائیں اور جمائیاں لیتے تھکن زدہ چہروں پر صحرا میں شیشے کے کسی ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کی طرح چمکتے سونے کے دانت "۔(۱۵)

ترکی کے اس جنوب مشرقی خطے میں پہاڑوں پر صدیوں سے آباد لوگ جو گلہ بانی اور زرعی کاشت سے اپنا گزر بسر کرتے تھے ان کی اقدار اور رہن سہن کے طریقے سادہ تھے جب ملک میں صنعتی ترقی اور سیاحت کے فروغ کے لئے تعمیراتی پراجیکٹ Project کا آغاز ہوا تو یہ پہاڑی لوگ روزگار کی تلاش میں اپنے آبائی علاقوں سے نقل مکانی کر کے ساحلی بستیوں میں آباد ہو گئے۔ یہاں پہلی مرتبہ ان کا سامنا Westernization سے ہوا۔ اس وجہ سے جس طرح کے ذہنی و نفسیاتی دباؤ سے ان لوگوں کو گزرنا پڑا اس بنیادی اور اہم نقطے کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا اور پھر اس سے جس طرح کے معاشرتی خلفشار نے جنم لیا اس مسئلے کو مصنفہ یوں بیان کرتی ہیں:۔

" تیراکی کے بعد وہ باغ میں نہا رہی تھی۔ ٹھنڈے پانی کے نیچے اپنی سانس روکتے ہوئے اس نے خود پر سے نمک صاف کرنے کی کوشش کی۔۔ بجری کے راستے سے پرے جھاڑیوں میں اس کو چرچراہٹ کی آواز آئی کپکپاتے ہوئے اس نے اپنے سر پر ہونے والے پانی کو پھوار سے پرے دیکھنے کی کوشش کی وہ کس کو نہ دیکھ پائی پھر بھی اس نے سخت آواز میں پکارا، سامنے آؤ۔۔۔ چرچراہٹ کی آواز فوراً رک گئی۔۔۔ حرکت رک گئی لیکن کوئی بھی سامنے نہ آیا۔۔ وہ پیچھا کیے جانے اور خود پر نظر رکھے جانے سے تنگ آچکی تھی "۔(۱۶)

سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے ترکی میں معاشی بدحالی اور کساد بازاری نے عام آدمی کی زندگی کو مشکل ترین بنا دیا تھا ان معاشی حالات کی شدت کو عدالت آعولویوں پیش کرتی ہیں:۔

"فواد اس کا بھائی۔۔ وہ 35 برس کا ہے اس نے شادی نہیں کی۔ وہ واضح طور پر نہیں جانتا کہ وہ کیا چاہتا ہے اس کی نوکری بہت تھکا دینے والی اور محنت طلب ہے حتیٰ کہ بے معنی بھی لیکن صرف یہی نہیں ہے اس نے نوین کو فون پر بتایا تھا" میں زندہ رہتے تھک چکا ہوں۔(۱۷)

انسانی سماج کو درپیش یہ وہ بنیادی مسائل ہیں جو معاشرتی اقدار کو پامال کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ادیب معاشرے کا حساس طبقہ ہوتا ہے اور ادب معاشرے کا نقاد ہمارے ادیب ان ہی مسائل اور کمزوریوں کی نشاندہی کے ساتھ معاشرے کی بہتری کے لئے کوشاں ہیں دونوں ناولوں میں سے ایک ایک اقتباس کو ملا کر پڑھتے ہیں تو دیکھا کہ یہ قرأت کس طرح کا تاثر پیدا کرتی ہے:۔

"انسان تیزی سے ہندوستان میں ہندو اور مسلمان بن رہے تھے۔ بھگوان کی مورتی کے سامنے جھکنے والے نفرت کا پرچار کر رہے تھے۔ خدا کی حمد و ثنا کرنے والے اور مسجد کے بلند میناروں پر چڑھنے اور اذانیں دینے والے زہر گھول رہے تھے۔ انسان سانپ بن رہے تھے "۔(۱۸)

دو گولیاں چلنا، قتل عام، مرنے والوں کی چیخیں۔۔۔ زمین پر ایک ایک کر کے تڑپنے والے نوجوان۔۔

”ہم نے کبھی محسوس کیا ہو تا کہ وہ ہمارا اتنا ہی حصہ ہے جتنا کہ کوئی آنکھ، منہ، ناک، بال، گردن۔۔۔ تو پھر ہم ان کی اور ان کی اہمیت کی جگہ کسی اور کو دینے کے قابل نہ ہو پاتے۔۔۔ چیزیں جن کے حقیقت میں معنٰی کچھ نہیں تھے انہیں اہم بنالیا گیا تھا محبت کے باغات کے پھول سب مُرجھا چکے ہیں میری نگاہوں میں اطمینان کے ابدی احساس کے آنسو“ ۔(۱۹)

انسانی المیے کی یہ وہ تصویر ہے جسے بیسویں صدی کی دو مختلف ملکوں اور تہذیبوں سے وابستہ خواتین قلم کاروں نے پیش کیا ہے جذبے کی سچائی، ذہنی کرب اور انسان کو درپیش مسائل کی تصویر کشی جس مہارت و خوب صورتی سے کی گئی ہے یہ ایک خاتون کے قلم سے ہی ممکن ہو سکتا تھا۔

حوالہ جات:

۱۔ محمد کیومرثی ڈاکٹر، ترکی اور اردو اور فارسی کے لسانیاتی و دستوری روابط کا تقابلی جائزہ مشمولہ ترکی میں اردو زبان و ادب کا صد سالہ سفر، فضلی سنز کراچی 2015، ص ۲۳۲

۲۔ عارف عزیز، ترجمہ کی ثقافتی اہمیت، روایت اور اس کا فن مشمولہ سہ ماہی ”دعوت“ دہلی ۷ جون، 2011، ص ۲۵

۳۔ ثریا حسین، سجاد حیدر یلدرم مقالات سیمی ناز مئی ۱۹۸۱ علی گڑھ، ص ۱۶۔

۴۔ Agaoglu, Adalet (2006) interview by yasim Gokce.7 january published in skylife, March 2006

۵۔ انجام بہاراں عدالت آغولو کے ناول Yazsonu 1980 کا اردو ترجمہ ہے اس کی مترجم ہما انور اور اسے جمہوری پبلی کیشنز لاہور نے جنوری ۲۰۱۳ میں شائع کیا۔

۶۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳، ص ۱۸۔

۷۔ ایضاً ص ۹ ۸۔ ایضاً ص ۱۲۱ ۹۔ ایضاً ص ۲۸۔۱۳

۱۰۔ www.raintaxi.com>writing_tounitepeaple2008

۱۱۔ عدالت آغولو (۲۰۱۳) انجام بہاراں، جمہوری پبلی کیشنز لاہور ص ۱۱۳

۱۲۔ ایضاً ص ۱۳ ۱۳۔ ایضاً ص ۲۰۰ ۱۴۔ ایضاً ص ۴۷۔۴۶

۱۵۔ ایضاً ص ۱۸۹ ۱۶۔ ایضاً ص ۹۲ ۱۷۔ ایضاً ص ۹۵

۱۸۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، جنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳، ص ۳۹۶

۱۹۔ عدالت آغولو، انجام بہاراں، جمہوری پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۳، ص ۲۳۷۔۲۲۲۔۱۱۸۰

☆☆☆☆☆